AL-ZUMAR
Vol. 3 No. 02 (2025)
Al-Zumar
Online ISSN: 3006-8355
Print ISSN: 3006-8347

Representative Themes of Urdu Short Story after Independence

آزادی کے بعد اردو افسانے کے نمائندہ موضوعات

Dr. Parveen Kallu[1]
Associate Professor Urdu Department , Government College University Faisalabad
Dr. Zonera Batool[2]
EST Government Comprehensive Girls Higher Secondary School Madina Town Faisalabad
Ghazala Kishwer[3]
Lecturer Lecturer Urdu Department Thal University Bhakkar
Dr. Muhammad Rahman[4*]
Assistant Professor Urdu, Department Hazara University Mansehra.
Corresponding Author Email: drmrehman75@gmail.com

Abstract

The journey of short story spans 119 years. In all the ups and downs and twists of this journey, short story has never deviated from the demands of the times. The themes of Urdu short story are quite broad. Today, the stories of our fiction writers cover almost all aspects of life. Be it the realities of human life, the decline of our culture and values, economic injustices, increasing inflation, portraying an environment of fear and terrorism, social indifference or the contradictions of human political and social life. All these topics are fully reflected in the stories of our fiction writers. Overall, it can be said that Urdu fiction has gone through many experiments on the basis of its art, technique, form, language level and style from its inception to the present and has created a certain breadth, deep foundation, diversity, depth of thought, psychological and philosophical aspects within its fold. Now, along with the subject, plot and characters, imagination and emotion have

AL-ZUMAR
Vol. 3 No. 02 (2025)
Al-Zumar
Online ISSN: 3006-8355
Print ISSN: 3006-8347

also found a full place in Urdu fiction. It is Urdu fiction that has enlightened fictional literature with artistic and aesthetic values and brought it to the level of research. If we take a close look at the scenario from the beginning of fiction till now, it is clear that this period is an experimental period of fiction. This period is much more fertile than the previous periods in terms of stories and this period will always remain bright and brilliant in our Urdu short story. Urdu fiction has been continuously evolving since its inception. Fiction writers have made successful experiments in Urdu fiction in terms of style, content, and technique. This article covers this topic.

Key Words: Journey of short story, 119 years, certain breadth, deep foundation, diversity, depth of thought, psychological, philosophical aspects.

اردو افسانے کے منظر نامے میں ہمیں پریم چند، یلدرم اور سلطان حیدر جوش جیسے فن کاروں نے اسے حقیقت، رومان، اصلاح، سیاست اور دو تہذیبوں کے تصادم سے ایک نئی کروٹ سے آشنا کیا۔ ان سب میں پریم چند اولین ادیب ہیں جنھوں نے اردو افسانے کو پہلی بار دیہات کی خوب صورتی، ہندوستان کے گاؤں کے مسائل، مظلوم کسان، کھیت اور کھلیانوں کی دل آویزیاں اور ذات پات کے مسائل سے بہرور کیا اور کسانوں اور مزدوروں کو ہیرو بنا کر پیش کیا۔ اس دوران ترقی پسندی کا آغاز ہوا اور افسانوں میں اشتراکیت، مذہبی اجارہ داری، طبقاتی کش مکش، معاشی جبر، نسلی برتری، جنسی الجھنوں، نفسیاتی پیچیدگیوں اور ساتھ ساتھ معاشی ناہمواریوں نے بین الاقوامی اور قومی سیاست کو ایک نئے موڑ پر لا کھڑا کیا۔ یوں افسانہ زندگی کے ہنگاموں سے آشنا ہوا۔ اس طرح حقیقت نگار کا آغاز ہوا۔

تقسیمِ ہند کا المیہ ایک ایسا سنگ میل تھا جس نے برصغیر پاک و ہند کے افسانے پر دوررس نتائج مرتب کیے۔ افسانہ نگاروں کو ہجرت، فسادات اور بے گھری کے مسائل نے اپنی طرف متوجہ کیا۔ اگرچہ ہندوستان اور مغربی سامراج کے شکنجے سے آزاد ہوا لیکن ساتھ ساتھ اوپر بیان کیے گئے مسائل نے بہت بڑا مسئلہ پیدا کیا۔ ہندوستان اور پاکستان سے لوگوں کو دونوں طرف ہجرت کرنی پڑی۔ لوگ اجنبی مقامات کی طرف ہجرت پر مجبور ہوئے۔ فرقہ وارانہ فسادات کا عذاب بھی ایک سخت آزمائش تھی۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۶۰ء تک یہ مسائل برابر اپنا رنگ جماتے رہے اور افسانہ نگاروں کے ذہنوں پر سوار رہے۔

اس دوران جدیدیت کی تحریک کا آغاز بھی ہو چکا تھا اور ایٹمی اور نیوکلیائی اسلحے کی نئی دوڑ شروع ہو چکی تھی۔ اس سے افسانے میں خوف و ہراس کا ماحول پیدا ہو چکا تھا۔ اگرچہ جدیدیت کی لہر ترقی پسند تحریک کے ردِ عمل کے طور پر ابھری تھی لیکن ہر دور کے اپنے مسائل ہوتے ہیں اس لیے افسانے میں معاشی الجھنوں کی بازگشت بھی سنائی دینے لگی۔ اپنوں سے بے گانگی اور

AL-ZUMAR
Vol. 3 No. 02 (2025)
Al-Zumar
Online ISSN: 3006-8355
Print ISSN: 3006-8347

اجنبیت نے انسان کو یک سر تنہا کر دیا تھا۔انسان زندگی کی بے معنویت کا شکار تھا۔ جرائم کی بڑھتی ہوئی لہروں نے افسانہ نگاروں کو انگشت بدنداں کر دیا تھا۔اس دور کے افسانہ نگاروں کے ہاں تجریدی اور علامتی انداز نمایاں نظر آتا ہے۔البتہ کچھ افسانہ نگار ایسے تھے جن کا خیال تھا کہ علامتی افسانہ حقیقت سے آنکھیں چراتا رہتا ہے اس لیے انھوں نے ترقی پسند اور جدید تحریک کی آمیزش سے ایک نیا زاویہ پیش کیا۔اس سلسلے میں احمد ہمیش نے "کہانی مجھے لکھتی ہے "بلراج مینرا نے "آخری کمپوزیشن "انور سجاد نے "کونپل "اور سریندر پرکاش نے "بجوکا" جیسے افسانے لکھ کر ایک نیا تجربہ کیا۔ ان افسانوں میں علامتی انداز سے بے زاری کا رجحان نمایاں ہے۔یہ افسانے زندگی کی صاف ستھری تصاویر پیش کرنے میں پیش پیش رہے۔ان کے علاوہ اور بھی افسانہ نگاروں کی ایک کھیپ نظر آتی ہے جن میں علی امام نقوی،ابن کنول،انور قمر،شوکت حیات، حسین الحق،سید محمد اشرف، طارق چھتاری،عبدالصمد، عضنفر اور مشرف عالم ذوقی شامل ہیں۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اردو افسانہ ابتدا سے ہی مختلف عوامی موضوعات کو اپنے اندر شامل کرتا رہا۔اگرچہ آزادی کے بعد خواتین کے بنیادی مسائل ، قانونی مسائل، سیاسی اور سماجی مسائل کے حوالے سے خاصی پیش رفت ہوتی ہے لیکن ان کے حالات اب حوصلہ افزا نہیں ہیں۔اگرچہ یہ ڈھنڈورا پیٹا جارہا ہے کہ ان کو برابری کی سطح پر حقوق دیئے جائیں لیکن یہ حقوق محض رسمی بن کر رہ گئے ہیں۔ہر ہر سطح پر ان کے ساتھ ناانصافی ہوتی رہی ہے۔ان کی حق تلفی کو گویا اپنی روش کا حصہ سمجھا جاتا رہا ہے۔ان کو ہمیشہ یہ احساس دلایا جاتا رہا ہے کہ تم ایک عورت ہو اور تمھیں کبھی بھی مرد کے برابر حقوق نہیں ملیں گے اور تمہارا گلا گھونٹا جاتا رہا ہوگا۔دیہات میں تو اس سے بھی برا حال ہے۔اس حوالے سے یہ اقتباس لائق توجہ ہے:

"دیہی عورتوں کی ۱۲ سے ۱۴ سال کی آدھی آبادی نے کبھی اسکول کا منہ تک نہیں دیکھا۔۔۔دیہی آبادی کی ۱۰ سے ۱۹ سال عمر گروپ کی ۴۲ فی صد اور ۵ سے ۹ سال عمر گروپ کی ۴۰ فی صد لڑکیاں ہی اسکول میں تعلیم پا رہی ہیں۔اس تعلیمی پس ماندگی کی وجہ یہ ہے کہ ملک میں ایک عرصے تک تعلیم پر ایک خاص طبقے کی اجارہ داری رہی۔دوسری جانب اس میں سماجی رویوں کے ساتھ ساتھ مذہبی عقائد کو بھی دخل ہے۔پیدائش کے وقت سے ہی لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان امتیازانہ رویہ اختیار کر دیا جاتا ہے اور دونوں کی پرورش اور پرداخت اور تعلیم و تربیت میں جداگانہ معیار اختیار کیا جاتا ہے۔"(۱)

یہی وجہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں عورت کے ساتھ یہی کچھ ہوتا آرہا ہے۔ان کو تعلیم دی بھی جاتی ہے تو ان کو غیر ضروری خیال کرتے ہوئے آدھے میں ہی ختم کر کے امور خانہ داری سے جوڑ دیا جاتا ہے۔

معاشرے میں عورتوں کی اکثریت گھریلو کاموں اور بیش تر غیر منافع بخش کاموں میں الجھا کر ان کے اندر یہ احساس پیدا کیا جاتا ہے کہ آپ کا دائرہ عمل گھر اور اس کی چہار دیواری ہے۔اس پر طرہ یہ کہ روزگار میں منہمک خواتین کا بھی یہی حال ہے۔اول تو صرف ۱۰ سے ۱۴ فی صد کو اتین کو ہی روزگار کے مواقع حاصل ہیں لیکن ان میں سے بھی زیادہ تر پرائیوٹ اور غیر منظم سیکٹر میں کام پر مجبور ہیں۔اس حوالے سے حکومت نے خواتین کے حوالے سے کچھ حوصلہ افزا اقدامات اٹھائے ہوئے ہیں اور کئی سکیمیں اور پروگرام ان کی حالت بہتر بنانے کے لیے سرگرم عمل ہیں لیکن عدمِ تحفظ کی وجہ سے یہ بھی کچھ خاص حوصلہ افزا نہیں ہیں۔عورت میں وسیع پیمانے پر تعلیمی بیداری نہ ہونے کی وجہ سے ان کے خلاف مختلف طبقے تشدد بھی کرتے ہیں۔

AL-ZUMAR
Vol. 3 No. 02 (2025)
Al-Zumar
Online ISSN: 3006-8355
Print ISSN: 3006-8347

تشدد کو مختلف درجات میں تقسیم کرتے ہیں:

ا) مجرمانہ تشدد جیسے زنا، اغوا اور قتل

ب) درون خانہ تشدد جہیز کے لیے قتل، بیویوں سے بدسلوکی، جنسی زیادتیاں اور بیواؤں سے برا سلوک

ج) سماجی تشدد لڑکی کی شناخت ہونے پر بیوی یا بیوہ سے جبراً اسقاط حمل کروانا، لڑکیوں سے چھیڑ چھاڑ، جائیداد میں لڑکیوں کو حصہ نہ دینا اور بیوی کو جہیز نہ لانے پر لعن طعن کرنا۔

اوپر کی فہرست سے اندازہ ہوتا ہے کہ معاشرے میں جس طرح باقی لوگ بس رہے ہیں اور کیڑے مکوڑوں کی طرح مر رہے ہیں اسی طرح عورت کا بھی یہی حال ہے اور وہ تشدد کو شکار ہے۔ آبادی میں اضافہ نے بھی مسائل کو بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس غیر مناسب اضافے کی وجہ سے معاشرے کا ہر طبقہ متاثر ہوا ہے۔ اس وجہ سے ایک کروڑ تک لوگوں کے پاس اپنا گھر نہیں ہے۔ پانچ کروڑ لوگوں کو پینے کا صاف پانی میسر نہیں ہے۔ ملک کی ۴۰ فی صد آبادی غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ غربت کی طرح بے روزگاری بھی ایک خطرناک مسئلہ بن چکا ہے اور دن بہ دن اس میں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ حکومت اپنے وسائل کے مطابق کچھ نہ کچھ تو کرتی ہے لیکن آبادی میں اضافہ طرزِ زندگی کو براہِ راست متاثر کرتا ہے۔ اگرچہ زرعی پیداوار میں اضافہ ہوا ہے۔ روزگار کے بھی نئے نئے مواقع پیدا ہوئے ہیں۔ معاشی اصلاحات سے بھی بہتری آئی ہوئی ہے اور ترقی و خوش حالی کی امید روشن ہوئی ہے لیکن دوسری جانب فرقہ وارانہ فسادات، ذات پات کے جھگڑوں اور سڑی ہوئی دہشت گردی جیسے سنگین مسائل نے سر اٹھایا ہوا ہے اور دن بہ دن ان میں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔

آیئے چند افسانہ نگاروں کے ہاں ان رجحانات پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

قرۃ العین حیدر کو افسانوی ادب میراث میں ملا تھا۔ ان کے والد سجاد حیدر یلدرم اردو کے اولین افسانہ نگاروں کے سرخیل تھے۔ ان کی پیدائش ۱۹۲۷ء کو علی گڑھ میں ہوئی جہاں ان کے والد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے رجسٹرار تھے۔ ۱۹۴۷ء کو لکھنؤ یونیورسٹی سے انگریزی ادب میں ماسٹر کرنے کے بعد انھوں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ تقسیم کے بعد پاکستان آگئیں اور یہاں پر انھوں نے اپنا شاہ کار ناول "آگ اور دریا" تحریر کیا۔ ان کے افسانوی مجموعوں میں "ستاروں سے آگے"، "شیشے کا گھر"، "پت جھڑ کی آواز" اور "روشنی کی رفتار" شامل ہیں۔

قراۃ العین حیدر نے اس وقت افسانہ لکھنا شروع کیا جب ہندوستان سے انگریز رخصتی کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ صدیوں پرانی تہذیبی، سماجی اور معاشرتی اقدار شکست وریخت کا شکار تھی۔ اس حوالے سے ایک اقتباس:

"قراۃ العین حیدر کے افسانوں میں عورت کے مسائل و کردار کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ مردان کے یہاں معاون کردار کی حیثیت سے آتے ہیں۔ ان کے کردار متوسط طبقے، بالائی متوسط طبقے یا اونچے طبقے کے ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی ہندو پاک اور یورپ کی اعلیٰ سوسائٹی میں گزری ہے جس کو انھوں نے نہ صرف دیکھا بلکہ اپنی تخلیقات میں اس کو برتا بھی ہے۔ ان کو ہندو مسلم مشترکہ ثقافت اور اردو کی تہذیب سے عشق ہے ان کے افسانوں میں اعلیٰ سوسائٹی کے جن افراد کا ذکر ملتا ہے ان میں راجے، مہا

AL-ZUMAR
Vol. 3 No. 02 (2025)
Al-Zumar
Online ISSN: 3006-8355
Print ISSN: 3006-8347

راجے،اونچے عہدے پر فائزافسران، کیمونسٹ،انجنیئر،سائنس دان،پروفیسر،یونیورسٹیز کے طلبہ اورانٹیلیکچوئل شامل ہیں جو ہر مذہب اور قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔"(۲)

قراۃالعین حیدر کے افسانوں کے موضوعات میں خاصا تنوع پایا جاتا ہے۔ان میں تقسیم کے برے اثرات،بے وطنی کا احساس،اونچی سوسائٹی کا تہذیبی واخلاقی زوال،سیاسی اور سماجی اقدار کا کھوکھلا پن،وقت کا جبر،انسان دوستی،مذہب اور قومیت کا احساس وغیرہ جیسے موضوعات بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔

ان کے افسانے "جلا وطن"میں مسلم ہندو اتفاق، بھائی چارے اور موجودہ دور کی بے اتفاقی کو موضوع بنایا گیا ہے۔"ہاؤسنگ سوسائٹی"میں تقسیم سے پہلے کے دور کے ہندوستانی معاشرت اور بعداز تقسیم کی پاکستانی معاشرت پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ان کے افسانوں کی یہی انفرادیت ان کو سب سے الگ اور منفرد بناتی ہے۔موضوعات کی بوقلمونی اور بلا کی کشش انھیں اپنے عہد کی منفرد افسانہ نگار بناتے ہیں۔ان کا موازنہ انتظار حسین سے کیا جاتا ہے کیوں کہ دونوں کے ہاں ماضی کی تخلیلی بازیافت ایک مشترکہ موضوع ہے لیکن دونوں کے ہاں ماضی کا برتاؤ اور نقطۂ نظر جداجدا ہے۔انتظار حسین ماضی کی یادوں میں کھو کر ناسٹلجیائی کیفیت کا شکار ہو جاتے ہیں اور وہ اسلامی تاریخ کی جانب رجوع کرتے ہیں جب کہ قراۃالعین حیدر کے ہاں برصغیر کی مشترکہ تہذیب کی جڑوں تک رسائی کا رجحان پایا جاتا ہے۔قراۃالعین حیدر کے ناولوں کی طرح ان کے افسانوں میں اگرچہ تنوع پایا جاتا ہے لیکن وہ اس میدان میں زیادہ منفرد نہ بن سکیں۔اس حوالے ڈاکٹر وحید اختر ایک جگہ لکھتے ہیں:

"قراۃالعین حیدر ہر دور میں جدید ہوتے ہوئے بھی اپنا کوئی اسکول نہیں بنا سکیں۔اس کا ایک سبب تو شاید ان کی کم آمیزی و کم گوئی اور اپنی تخلیق کے متعلق نظریہ طرازی سے گریز ہے لیکن زیادہ اہم وجہ یہ ہے کہ ان کے اسلوب اور ان کی تکنیک کی کثیر الجہتی ناقابل تقلید ہے۔"آگ کا دریا" سے متاثر ہو کر ناول لکھے گئے لیکن ان کے افسانوں کا اثر ہم عصر تخلیق میں مشکل سے نظر آئے گا۔یہ ان کی فن کی انفرادیت کے ساتھ ان کی فکری مشکل پسندی کی بھی دلیل ہے۔"(۳)

درج بالا اقتباس اس بات کی گواہی پیش کرتا ہے کہ قراۃالعین حیدر کو افسانے کے میدان میں اپنے معاصرین اور متاخرین کو متاثر کرنے میں زیادہ کامیابی نہیں ملی۔

غیاث احمد گدی افسانہ نگار آزادی کے بعد اپنی انفرادیت کے حوالے سے خاصے منفرد نظر آئے۔ان کی پیدائش ۱۹۲۵ء کو ہوئی۔ان کے تین افسانوی مجموعے "بابا لوگ"،"پرندہ پکڑنے والی گاڑی"اور"سارا دن دھوپ"چھپ چکے ہیں۔ غیاث احمد گدی کے افسانے غریب مزدوروں کے مسائل کے علاوہ نچلے طبقے کے مسلم گھرانوں کے افراد کی ناکامی،نامرادی، ناداری اور بے کسی کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔ان کے بقول ان افسانوں کے موضوعات ان کی ذاتی زندگی کی تصویریں ہیں۔ کیوں کہ وہ خود بھی اس قسم کے ماحول میں پلے بڑھے تھے اور پھر بعد میں یکے بعد دیگرے اپنی اہلیہ اور بڑی بیٹی کی ناگہانی اموات نے انھیں کوئی کل چینے نہ دیا۔غرض ان کی زندگی کی ناکامیاں اور نامرادیاں ان کے افسانوں کے موضوعات ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اس طرح کے مسائل خود بخود ان کے افسانوں میں شامل ہوتے گئے۔غیاث احمد گدی کے افسانوں میں علامت،تجریدیت اور

AL-ZUMAR
Vol. 3 No. 02 (2025)
Al-Zumar
Online ISSN: 3006-8355
Print ISSN: 3006-8347

بیانیہ انداز تین قسم کے اثرات ملتے ہیں۔ان کے افسانوں میں جنسی جبر واستحصال، طرزِ معاشرت، مزدوروں کے مسائل اور عورتوں کے مسائل شامل ہیں۔اس حوالے سے یہ اقتباس پیش خدمت ہے:

"غیاث احمد گدی کے ہاں جنسی جبر واستحصال کے مکمل نمونے پائے جاتے ہیں۔ نمائندہ افسانوں میں "پہیہ"، "امام باڑے کی اینٹ" اور "کالے شاہ" شامل ہیں۔ان کے علامتی افسانوں میں سرمایہ دارانہ نظام کے استحصال کے خلاف احتجاج اور بین الاقوامی سیاست، فرد کی داخلی حسیت جیسے اہم اور جدید موضوعات ملتے ہیں۔اس سلسلے کے افسانوں میں "پرندہ پکڑنے والی گاڑی"، "تج دوتج"، "کبوتری"، "طلوع"، "دھوپ"، "روشنی" اور "آخ تھو" شامل ہیں۔"(۴)

غیاث احمد گدی کے بیش تر افسانے واحد متکلم کی زبانی بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں "قیدی"، "ایک چھوٹی کہانی" اور "پہیہ" شامل ہیں۔

سریندر پرکاش جدید افسانہ نگاروں کی جو کھیپ آزادی کے منظر نامے پر اپنی پوری توانائی کے ساتھ ابھری ان میں سریندر پرکاش سرِ فہرست ہیں۔ چوں کہ انھوں نے زندگی کے بیش تر مسائل کا خود سامنا کیا تھا اور ہر جگہ نوکری اور ملازمت کے لیے دھکے کھائے تھے اس لیے ان کے افسانوں میں حقیقت نگاری کے واضح سائے نظر آتے ہیں۔ان کے افسانوی مجموعوں میں "برف پر مکالمہ"، "دوسرے آدمی کا ڈرائنگ روم" اور "بازگوئی" شامل ہیں۔ان کے افسانوں میں ایجاز واختصار پایا جاتا ہے۔ان کے افسانوں میں نئے نئے تجربات اور نئی جہتیں پائی جاتی ہیں۔ان کے موضوعات میں فرقہ وارانہ منافرت، ذہنی انتشار، انسانی روح کا کھوکھلا پن، اقدار کی پامالی، سیاسی، سماجی اور اقتصادی بحران جیسے اہم سماجی مسائل سے باخبری کا احساس پایا جاتا ہے۔ ان کے افسانوں میں مختلف النوع تکنیک کے حوالے سے یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

"حالیہ چند برسوں میں ان کے افسانوں میں موضوع اور تکنیک کی سطح پر بڑی خوش گوار تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں جس میں سماجی اور سیاسی پس منظر بھی موجود ہے اور بعید از قیاس علامتوں سے بھی گریز کیا گیا ہے۔" بالکنی "فرقہ وارانہ فسادات کے موضوع پر لکھی جانے والی کہانیوں میں بہت ہی طاقتور کہانی ہے۔ "تربوساں" میں جڑوں سے اکھڑے ہوئے لوگوں کی داستان بیان کی گئی ہے۔ یہ چند کہانیاں اس خیال کی توثیق کرتی ہیں کہ سریدنر پرکاش نری علامت نگاری کے چکرویو سے نکل کر بیانیہ اسلوب کی طرف چلتے آتے ہیں۔"(۵)

رام لعل جدید افسانے کا منفرد نام ہے۔ان کی پیدائش ۱۹۲۳ء کی ہے۔ان کا افسانوی منظر نامہ خاصا طویل ہے جس میں ان کے کریڈٹ پر کم وبیش پانچ سو افسانے نظر آتے ہیں، جو چودہ افسانوی مجموعوں میں منقسم ہیں۔اولین افسانوی مجموعہ "ائینے" ۱۹۴۵ء میں شائع ہوا جب کہ آخری مجموعہ "اور ایک دن کو پر نام" ۱۹۹۰ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ ان کی سب سے معروف کہانی "چارج شیٹ" ہے جس میں ان کی صلاحیتوں کا خوب صورت اظہارِ خیال ہوا ہے۔ چند نمایاں مجموعوں میں "انقلاب آنے تک"، "نئی دھرتی پرانے گیت"، "گلی گلی"، "گزرتے لمحوں کی چھاپ"، "سدابہار چاندنی" اور "آواز تو پہچانو" شامل ہیں۔ "سدابہار چاندنی" پر انھیں مستور ہندوستانی ادبی ایوارڈ ساہتیہ اکادمی سے نوازا گیا۔ رام لعل کے پہلے دور کے افسانوں میں ترقی پسندی کے اثرات پاتے ہیں۔اس دور کے نمائندہ موضوعات میں انقلاب آزادی، تقسیمِ ہند اور فسادات کو موضوع بنایا گیا

AL-ZUMAR
Vol. 3 No. 02 (2025)
Al-Zumar
Online ISSN: 3006-8355
Print ISSN: 3006-8347

ہے۔بعد کے جدید افسانوی دور میں اپنی ایک الگ پہچان بنائی۔جدید دور کے افسانوں میں "چارج شیٹ"، "ایک شہری پاکستان کا"، "ایک عورت تھی علاج غم و تو نہ تھی" اور "انقلاب آنے تک" جیسے افسانوں سے دھوم مچائی۔ان کے ہاں مختلف موضوعات پر افسانے لکھے گئے۔اس حوالے سے یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

"رام لعل نے چھوٹے چھوٹے موضوعات پر افسانے لکھے۔جس میں گھر کی چہار دیواری اور معاشی مسائل کے افسانے شامل ہیں۔"بے سر کا گوتم"، "آنگن"، "سن سس"، "چاپ"، "سفر مسلسل" اس دور کے ان کے مشہور افسانے ہیں۔"(۶)

جوگندر پال کی پیدائش ۱۹۲۵ء اور جگہ سیالکوٹ ہے۔انگریزی ادبیات میں ماسٹرز کیا تھا۔تقسیم کے بعد ہندوستان چلے گئے۔ان کے متعدد افسانوی مجموعے اور ناول شائع ہوئے۔چند افسانوی مجموعوں میں "کھلا"، "کتھا نگر" شامل ہیں۔اس کے علاوہ ناول "کھوڈو بابا کا مقبرہ" اور "نادید" جب کہ ناولٹ "خواب رو" شامل ہیں۔ان کی افسانوی نثر کے ترجمے کئی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔

جوگندر پال کے موضوعات میں جہاں زندگی کی بے معنویت اور لغویت کا شعور اور نئے دور کی بحرانی صورتِ حال، نفسیاتی پیچیدگی، جنسی گھٹن، اجنبیت، تنہائی اور مصروفیت کے مسائل ملتے ہیں وہیں نئے نئے تجربات کی بازگشت بھی ملتی ہے۔ان کے نمائندہ افسانوں میں "دھرتی کا لال"، "بے محاورہ" اور "بے ارادہ" جیسے شاہکار افسانے شامل ہیں۔ان کے کردار خود کلامی سے لے کر تمام واقعات اور داخلی کیفیات اور ارتقاء کے حوالے سے خاصے دلچسپ ہوتے ہیں۔ان کے فن کے حوالے سے ڈاکٹر قمر رئیس یوں رقم طراز ہیں:

"افسانہ ہو یا ناول جوگندر پال کی ہر نئی تخلیق ایک نئی واردات، نئے تجربے کا مظہر ہوتی ہے۔ان تخلیقات میں جو شے مشترک ہوتی ہے وہ ہے مصنف کی دردمندی، عصری مسائل کا ادراک اور عام انسان کے دکھ درد سے گہری وابستگی۔وہ زندگی کے عام اور معمولی واقعات میں آسانی سے دوررس نفسیاتی اور تہذیبی حقائق کا مشاہدہ کر لیتے ہیں۔ان کا وژن آفاقی ہے اور ان کے بیش تر افسانے ایک نئی جمالیاتی حسیت کا احساس دلاتے ہیں، جن سے ان کے فن کی منفرد شناخت ہوتی ہے۔"(۷)

جوگندر پال کے افسانے مخصوص علامات، نفسیاتی پیچیدگی، جنسی گھٹن، اجنبیت، تنہائی، مصروفیت اور میکانکی طرزِ عمل کے احساس سے بھرپور ہیں جو مخصوص بیانیے اور استعارات کے ذریعے سے پیش کیے گئے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ شفیق عالم، ۱۹۷۰ء کے بعد کے اردو افسانوں میں سماجی اور سیاسی مسائل کی عکاسی (غیر مطبوعہ مقالہ)، جواہر لال یونیورسٹی، نئی دہلی، ۲۰۰۳ء، ص

۲۔ ایضاً، ص ۸۶

۳۔ ڈاکٹر وحید اختر، بحوالہ ایضاً، ص ۹۰،۸۸

۴۔ ایضاً، ص ۹۰

۵۔ ایضاً، ص ۹۲

AL-ZUMAR
Vol. 3 No. 02 (2025)
Al-Zumar
Online ISSN: 3006-8355
Print ISSN: 3006-8347

۶۔ ایضاً،ص۹۵

۷۔ ڈاکٹر قمر رئیس،حوالہ ایضاً،ص۹۷